فاروق اعظم*

اسلامی ریاست میں نظم وضبط کی پابندی

ایک تحقیقی جائزہ

تلخیص

زیر نظر مقالہ عوام الناس میں نظم وضبط کے بڑھتے ہوئے فقدان کے تناظر میں لکھا گیا ہے، جس میں ان پہلوؤں اور عوامل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جو ایک اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے میں مدومعاون ثابت ہوسکتے ہیں۔ مقالے کے آغاز میں اسلامی ریاست کے تصور پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے۔ بعد کے صفحات میں تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں اُن پہلوؤں کو زیر بحث لایا گیا ہے، جو عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے میں کارگر ثابت ہوسکتے ہیں۔ مقالے میں اس بات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے کہ سیاست، مذہب، معاشرت اور تعلیم وتربیت کے پہلوؤں کے تناظر میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند کیسے بنایا جاسکتا ہے، آخر میں حکومت کے فرائض اور عوام کی ذمے داریوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مقالہ اول تا آخر اسلامی ریاست، عوام الناس، نظم وضبط کی پابندی اور تعلیمات نبوی ﷺ سے بحث کرتا ہے۔

تمہید

اقوامِ عالم کی تاریخ بتاتی ہے کہ زمانہ قدیم سے رہبر وراہ نما ہر دور میں پائے جاتے رہے ہیں۔ کوئی سیاسیات کا استاد تھا۔ کسی نے معاشیات میں پیشوائی کی۔ کوئی عمرانیات کا امام بنا۔

---

* تحقیق کار، شعبہ سیاسیات، جامعہ کراچی۔ farooqazam620@yahoo.com

کسی نے اخلاقیات کی تعلیم دی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بعض تاریخ کا حصہ بن گئے، کچھ معدوم ہوگئے۔ خالقِ کائنات نے بھی بنی نوع انسان کو تخلیق کر کے اندھیرے میں نہیں رکھا۔ انسان کو ہدایت کی روشنی دکھلانے کی غرض سے انبیائے کرام کی بعثت جاری رہی، حتیٰ کہ خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چودہ سو سال قبل رحلت فرما چکے، تاہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل شخصیت اور آپ کی دی گئی تعلیمات صدیاں گزرنے کے بعد بھی قابلِ اتباع اور مکمل رشد و ہدایت کا ذریعہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جامع اوصاف کے مالک تھے۔ آپ عبادات و اخلاقیات میں کامل نمونہ تھے، تو فہم و فراست میں بہترین مدبر بھی۔ ملکی انتظام و انصرام کو چلانے میں اعلیٰ پائے کے منتظم و منصرم تھے، تو قیامِ امن اور دفاع کے لیے جنگوں میں منفرد کردار کے سپہ سالار بھی۔ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر عرصہ دراز سے لکھا جا رہا ہے اور لکھا جاتا رہے گا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوبیوں کا احاطہ ممکن نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کھلی کتاب کی مانند ہے، جس سے ایک طرف ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ کفر و شرک سے آلودہ معاشرے کو حق و سچائی کے قالب میں کیسے ڈھالا جا سکتا ہے؟ دوسری جانب یہ راہ نمائی بھی ملتی ہے کہ ایک اسلامی ریاست کا قیام اور اس کی فلاح کیسے ممکن ہے؟ سیرت طیبہ صرف عبادات و اخلاقیات کا مجموعہ ہی نہیں، بل کہ وہ انسان کی کل زندگی کے لیے کامل نمونہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عابد و زاہد تھے۔ ایک معلم و استاد تھے۔ ایک رہبر و راہ نما تھے۔ آپ علیہ السلام شوہر بھی تھے، باپ بھی۔ قاضی بھی تھے، سپہ سالار بھی۔ حکم ران بھی تھے، منتظم بھی۔ مصلح بھی تھے، تاجر بھی۔ الغرض ایسا کوئی شعبہ نہیں، جس میں ہمیں آپ علیہ السلام کی ذات مبارکہ سے راہ نمائی نہ ملتی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو انسانوں میں سے اسی لیے مبعوث کیا ہے، تاکہ وہ امت کے لیے عملی نمونہ بن سکیں۔ پیغمبر کا قول و فعل قوم کے شب و روز کی اصلاح کرتے ہیں۔ ہمیں گھر سے خاندان تک، خاندان سے سوسائٹی تک، سوسائٹی سے شہر تک، شہر سے ریاست تک اور ریاست سے بین الاقوامی برادری تک ہر جگہ ہر موڑ پر سیرت طیبہ سے براہ راست راہ نمائی ملتی ہے۔ اگر ہم نے اس سوال کا جواب ڈھونڈنا ہو کہ اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم و ضبط کا پابند کیسے بنایا جائے؟ تب بھی سیرت طیبہ کے

روشن اوراق ہماری راہ نمائی کریں گے۔ ذیل میں اس پر مفصل روشنی ڈالنے سے قبل یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ریاست کا مفہوم کیا ہے اور اسلام اس کا کیا تصور پیش کرتا ہے؟ لہٰذا اول اس پہلو کو زیر بحث لاتے ہیں۔

ریاست کا اسلامی تصور

پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں کہ انسان نے اپنی اجتماعی زندگی کی ترتیب وتہذیب کے لیے جو ادارے قائم کیے ہیں، ان میں ریاست کا ادارہ سب سے اہم اور بنیادی ہے۔ ریاست وہ ہیئت سیاسی ہے، جس کے ذریعے ایک ملک کے باشندے ایک باقاعدہ حکومت کی شکل میں اپنا اجتماعی نظم قائم کرتے ہیں اور اسے قوت قاہرہ اور قوت نافذہ کا امین قرار دیتے ہیں۔ انسان نے اپنی تہذیبی زندگی کے آغاز سفر ہی میں اس ادارے کی ضرورت کو محسوس کرلیا تھا۔ پوری انسانی تاریخ، ریاست کے قیام واستحکام، اس کی تنظیم وتہذیب اور اس کے فروغ وارتقا کی تاریخ ہے۔ (۱)

علم سیاسیات کے ماہرین، ریاست کے لیے چار عناصر کا ہونا ضروری سمجھتے ہیں، آبادی، علاقہ، حکومت اور اقتدارِ اعلیٰ۔ پہلے دو عناصر آبادی اور علاقہ طبعی ہیں، جب کہ حکومت اور اقتدارِ اعلیٰ سیاسی عنصر ہیں۔ امریکی قانون دان و ماہر سیاسیات پروفیسر گارنر اس ضمن میں لکھتے ہیں: ریاست علم سیاست اور عمومی قانون کے ایک تصور کی حیثیت سے افراد کی ایک ایسی جمعیت ہے، جو مستقل طور پر ایک معین علاقے پر قابض ہو، بیرونی دباؤ سے آزاد اور خودمختار ہو اور ایک منظم حکومت رکھتی ہو، جس کی اطاعت افراد کی کثیر تعداد عادتاً کرتی ہو۔ (۲)

مسلم مفکرین اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام میں ریاست کے معاملات کو دین سے جدا نہیں رکھا جاسکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف مدینہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تھی،

۱۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید۔ اسلامی ریاست (مقدمہ از کتاب)۔ (چھبیسواں ایڈیشن)، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، فروری ۲۰۱۲ء: ص ۱۵

۲۔ محمد اعظم چوہدری، ڈاکٹر۔ سیاسیات: نظریات اور اصول۔ (گیارہواں ایڈیشن)، کراچی، غضنفر اکیڈمی، جنوری ۲۰۱۱ء: ص ۹۱

بل کہ اس کے اصول وضوابط اور دائرہ کار کا تعین بھی اپنی سیرت طیبہ سے واضح کردیا تھا۔ دور جدید کی سیکولر ریاستوں میں مذہب کو انسان کا ذاتی معاملہ سمجھا جاتا ہے، ریاستی امور میں اسے کوئی دخل نہیں دیا جاتا۔ یہاں یہ نکتہ واضح کرنا ضروری ہے کہ اسلام کا تصورِ ریاست عہد وسطیٰ کی ان مذہبی ریاستوں سے قدرے مختلف ہے، جو کلیسا کے ماتحت قائم تھیں۔ ان کی مطلق العنانیت کے سبب ہی مغرب میں سیکولرازم کی تحریک پروان چڑھی تھی۔ اسلام میں حکومت الٰہیہ سے مراد تھیوکریسی (Theocracy) کی وہ شکل نہیں، جس میں مخصوص مذہبی طبقہ اپنی چاہت کو الہامی دستور سے تعبیر کرتا تھا۔ اسلام میں ریاست کا تصور اس کے بالکل برعکس ہے، وہ مطلق العنانیت کے بہ جائے حکم ران ورعایا، امیر وغریب، اعلیٰ وادنیٰ سبھی کو قوانین الٰہیہ کا مطیع وفرماں بردار بناتا ہے۔ مولانا مودودی نے "اسلامی ریاست" میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> قرآن جس ریاست کا تخیل پیش کررہا ہے، اس کا مقصد سلبی (Negative) نہیں ہے، بل کہ وہ ایک ایجابی (Positive) مقصد اپنے سامنے رکھتی ہے۔ اس کا مدعا صرف یہی نہیں ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے روکے، ان کی آزادی کی حفاظت کرے اور مملکت کو بیرونی حملوں سے بچائے، بل کہ اس کا مدعا اجتماعی عدل کے اس متوازن نظام کو رائج کرنا ہے جو اللہ کی کتاب پیش کرتی ہے۔ اس کا مقصد بدی کی ان تمام صورتوں کو مٹانا اور نیکی کی ان تمام شکلوں کو قائم کرنا ہے، جن کو اللہ نے اپنی واضح ہدایت میں بیان کیا ہے۔ آگے مزید لکھتے ہیں: اس نوعیت کی ریاست ظاہر ہے کہ اپنے عمل کے دائرے کو محدود نہیں کرسکتی۔ یہ ہمہ گیر ریاست ہے۔ اس کا دائرہ عمل پوری انسانی زندگی پر محیط ہے۔ یہ تمدن کے ہر شعبے کو اپنے مخصوص اخلاقی نظریے اور اصلاحی پروگرام کے مطابق ڈھالنا چاہتی ہے۔ (۱)

نظم وضبط اور موجودہ اسلامی ریاستیں

گزشتہ مباحث کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اصل موضوع پر بحث کا آغاز کرتے ہیں، تاہم

۱۔ مودودی: ص ۱۱۷

اس سے قبل اسلامی ریاستوں کے معروضی حالات کو بھی پرکھنا ہوگا۔ تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے جب بھی اپنے انفرادی واجتماعی معاملات میں سیرت طیبہ سے راہ نمائی لی تو وہ سرخرو ٹھہرے اور اسے پسِ پشت ڈالنے کے نتیجے میں بدترین صورت حال سے دوچار ہوئے۔ پاکستان بھی مدینہ طیبہ کی طرح اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا۔ یہ ایک الگ بحث کہ اس مملکتِ خداداد کی اصل شناخت کو مٹانے کے لیے روشن خیالی کے نام پر اب سیکولرازم کا نعرہ بلند کیا جا رہا ہے۔ حال آں کہ اس میں شک وشبے کی گنجائش نہیں کہ یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ مسلم لیگ نے 46-1945 کے انتخابات اسی بنیاد پر لڑے تھے کہ پاکستان کا قیام ہی مسلمانانِ برصغیر کے قضیے کا واحد حل ہے، جب کہ کانگریس ہندوستان کی تقسیم کو گئوماتا کی تقسیم کے مترادف سمجھتی تھی۔ مسلمانانِ ہند قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں اپنے اس مقصد میں کام یاب رہے اور یہ عظیم ملک معرض وجود میں آیا۔

آج اگر یہ سرزمین عدم استحکام سے دوچار ہے تو اس کے ذمے دار اس کے باسی ہیں۔ ملکوں اور ریاستوں میں لاقانونیت تب جنم لیتی ہے، جب قوم اپنی اساسی پہچان فراموش کردے۔ ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والا دین سطحی نہیں ہے، یہ ہر شعبہ زندگی کے لیے راہ نما اصول مرتب کرتا ہے۔ خواہ وہ سیاست کا میدان ہو، معیشت کا ہو، قانون اور انصاف کا شعبہ ہو یا پھر سوال ریاست کے انتظامی امور سے متعلق ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ ریاست بھی ایک فکر اور تصور پر مبنی تھی۔ اسی بنیاد پر خلافت راشدہ اور بعد کے ادوار میں خلفا نے ریاستی امور سرانجام دیے۔ تاریخ گواہ ہے کہ مسلم سلطنتیں ہمیشہ خوش حال رہیں، تاوقتے یہ کہ وہ اپنی اصل اساس پر استوار تھیں۔ جب مسلم سلاطین کے خیالات میں ضعف رونما ہوا تو عالی شان سلطنتوں کو بھی زوال سے کوئی بچا نہ سکا۔

اسی پیرائے میں ہم موجودہ اسلامی ریاستوں کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ مسلم ممالک نظم وضبط کے فقدان سے بری طرح دوچار ہیں۔ باوجود اس کے کہ ریاستوں میں قوانین نافذ ہیں، انتظامی ادارے موجود ہیں، عدالتیں فعال ہیں۔ کم زوری صرف یہ ہے کہ قوم کا نصب العین مفقود ہوگیا۔ اسلام کا تصورِ ریاست محض ایک خاکہ نہیں، بل کہ وہ اپنے ثمرات بھی دکھا چکا ہے۔ دیگر ایسے کئی سیاسی افکار ہیں جو صرف کتابوں کے اوراق میں دکھائی دیں گے، عملاً وہ

ناکام رہے یا پھر کلی طور پر رائج نہیں ہو سکے۔ مسلم امہ کو بجا طور پر فخر محسوس کرنا چاہیے کہ وہ ایک شاندار ماضی رکھتی ہے۔ یہ ذہن نشین رہے کہ جو قومیں واضح نصب العین کی حامل نہیں ہوتیں، وہ نظریات مستعار لیتی ہیں۔ مسلم ریاستوں کو دیگر تصورات اور طور طریقے اپنانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اسلامی حکومتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ سیرت کو مدِ نظر رکھیں، یہ ہر موڑ پر کامل راہنمائی کے لیے کافی ہے۔

مندرجہ بالا گزارشات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ذیل میں بالترتیب ان تمام نکات کو زیر بحث لایا جائے گا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائم کردہ اسلامی ریاست کی بنیادی خصوصیات میں سے ہیں، جس کی بدولت مدینہ طیبہ ایک مثالی ریاست کا نمونہ پیش کرتی تھی۔

تقویٰ اور نظم وضبط

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا آغاز چالیس سال کی عمر میں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا میں مصروف عبادت تھے کہ جبرائیل امین تشریف لائے اور سورۃ العلق کی ابتدائی آیات پڑھیں۔ جن حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت سے نوازا گیا، وہ ہمارے پیش نظر رہنے چاہئیں۔ سیرت نگاروں نے عہد رسالت سے قبل کے جاہلانہ عرب معاشرے پر مفصل عنوان قائم کیے ہیں۔ الطاف حسین حالی نے اپنی مسدس میں اس کا نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے۔

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ
ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ
نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے(۱)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان حالات میں مبعوث کر کے حکم دیا کہ ''اے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو کمبل اوڑھے سو رہے ہو، اٹھیے اور ڈرائیے اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے

۱۔ حالی، الطاف حسین، خواجہ۔ مسدسِ حالی۔ لاہور، رابعہ بک ہاؤس، سن ندارد: ص ۱۶

اور اپنے کپڑے پاک رکھیے اور گندگی سے دور رہیے''۔(۱) سورۃ المدثر کی ان ابتدائی آیات میں بڑا پیغام پنہاں ہے۔ دلوں میں اللہ کا خوف پیدا کرنا اولین نکتہ ہے۔ **قُمْ فَأَنذِرْ** کے اس حکم پر جب مکہ میں دعوت کا آغاز ہوا، تو اس نے آگے چل کر مدینہ میں اسلامی ریاست کی بنیادیں استوار کیں۔ یقیناً پرہیز گاری بدی کو نیکی میں بدلنے کا مؤثر طریقہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت کا آغاز کیا تو ان کے پاس کوئی ریاست نہیں تھی، جہاں اہل ایمان خود کو محفوظ تصور کرتے۔ خشیت الٰہی کا یہ وصف ہی ان کے ایمان کا ضامن تھا۔ وہ بڑی سے بڑی آزمائش میں اسی لیے سرخرو رہے کہ ان کے دلوں میں اللہ کا خوف موجزن تھا۔ وہ دنیا کی سختیوں کو آخرت کے مقابلے میں حقیر جانتے تھے۔ یہی وجہ تھی قریش مکہ کے بے پناہ مظالم کے سامنے بھی انہوں نے گھٹنے نہیں ٹیکے۔ ان کی صفیں مضبوط رہیں، کوئی بیچ راہ میں ایڑیوں کے بل نہیں پلٹا۔ جب اہلِ طائف کے دل تقویٰ سے خالی تھے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سنگ باری میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کی۔ دوسری جانب اسی خشیت الٰہی نے اہل یثرب کے دلوں کو نرم کیا اور مسلمانوں کو جائے پناہ میسر آئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں تقویٰ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور بالکل سیدھی بات کہو۔ وہ تمہارے لیے تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے تو یقیناً اس نے کام یابی حاصل کر لی، بہت بڑی کام یابی۔(۲)

اللہ تعالیٰ نے یہاں اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے کہ پرہیز گاری اختیار کرو اور صاف سیدھی بات کہو، بدلے میں اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا۔ ایک اسلامی ریاست اگر خشیت الٰہی کے وصف سے عاری ہوگی تو وہاں نظم وضبط کا فقدان اور انتشار کی صورت حال یقینی امر ہے۔ تقویٰ کی صفت کو اپنانا ہر خاص وعام کے لیے یکساں ضروری ہے۔

۱۔ المدثر: ۱ تا ۱

۲۔ الاحزاب: ۷۰ تا ۷۱

بے شک پرہیز گاری ہی ہر برائی کی جڑیں کاٹتی ہے۔

اطاعت اور نظم وضبط

زمین کا وہ ٹکڑا ریاست کی تعریف پر پورا نہیں اترتا، جہاں رعایا قانون کی پاس داری اور حکم رانوں کی اطاعت سے آزاد ہو۔ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و اتباع میں درجہ انتہا پر فائز تھے۔ قرآن پاک نے بھی اہل ایمان کو جا بہ جا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ سورۃ النساء میں اللہ کا فرمان ہے:

> اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ (۱)

صاحب امر کی اطاعت اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر ریاست کا ادارہ ادھورا ہے۔ کوئی بھی حکومت عوام کی اطاعت کے بغیر کام یابی سے ہم کنار نہیں ہوسکتی۔ صحابہ کرام ہجرت مدینہ سے قبل بھی مطیع وفرماں بردار تھے اور اسلامی ریاست کے قیام کے بعد بھی انہوں نے اطاعت کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا۔ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جنگ احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقبی جانب جبل رماۃ کے درے پر پچاس تیر اندازوں کو تعینات کر کے انہیں ہر حال میں وہاں ڈٹے رہنے کا حکم دیا۔ جب مشرکین جنگ سے فرار ہونے لگے اور صورت حال مسلمانوں کے حق میں موافق ہوئی، تو اکثر تیر انداز درے سے نیچے اتر آئے۔ اس لغزش کے نتیجے میں جنگ کا پانسہ پلٹا اور قریش مکہ نے عقبی جانب سے درے کو خالی پا کر حملہ کر دیا، جس سے اسلامی فوج کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ اس تناظر میں نعیم صدیقی ''محسن انسانیت'' میں لکھتے ہیں:

> نظم اور ڈسپلن کی بنیاد اس اخلاقی صفت پر استوار ہوتی ہے جس کا نام صبر ہے، یعنی اپنے اوپر اتنا قابو ہونا کہ خوف ونقصان اور مفادات کے مقابلے میں ثبات اور جماؤ برقرار رہے۔ اسلامی جماعت چوں کہ زیر تربیت تھی اور خصوصاً میدان جنگ کا اسلامی کردار مضبوط کرنے کے لیے ابھی تک تجربہ وسیع نہیں ہوا تھا، کیوں کہ احد

۱۔ النساء:۵۹

سے پہلے ایک ہی معرکہ پیش آیا تھا، اس لیے لغزش ہوگئی۔ کوئی بھی انسانی جماعت کسی نظریے پر نیا کردار تعمیر کرتے ہوئے لغزشوں سے بالکل محفوظ رہ کر کمال حاصل نہیں کرسکتی، لیکن اس ذراسی لغزش پر مشیت نے جماعت کو ایسا واقعاتی سبق دیا کہ جو محض وعظ ونصیحت سے کبھی دلوں میں اتر نہ سکتا۔ اس سبق میں یہ نکتہ بھی کھول کے سمجھا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین بے لاگ طریقے سے کام کرتے ہیں اور اگر ان کو توڑا جائے تو بہترین انسان بھی عقوبت سے بچ نہیں سکتے۔(۱)

موجودہ اسلامی ریاستوں میں اندرونی انتشار کے پس پشت عدم برداشت کا عنصر واضح دکھائی دیتا ہے۔ جس کی بنیادی وجہ اطاعت وفرماں برداری میں پہلو تہی کرنا ہے۔ حکم ران رعایا کے معاملے میں غفلت برتتے ہیں اور عوام حکم رانوں کی اطاعت کو پس پشت ڈالتے ہیں۔ اگر ریاستوں کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بہ حیثیت مجموعی اقوام میں اس شعور کی کمی ہے کہ ریاست کسی کی ملکیت نہیں، بل کہ یہ قوم کا اثاثہ ہوتی ہے۔ عدم استحکام اور تشدد کی کیفیت پیدا کرنے سے کسی خاص طبقے کا نہیں، بل کہ نقصان ملک وقوم کا ہوگا۔ مشرق وسطیٰ میں گزشتہ چند سالوں سے یہ صورت حال کافی شدت اختیار کرچکی ہے، جس کی اہم وجہ حکومت وعوام میں بڑھتے ہوئے فاصلے ہیں۔ اس کیفیت کا خاتمہ اسی صورت ممکن ہوگا کہ قوم میں یہ جذبہ اجاگر کیا جائے کہ ملک کی تعمیر وترقی ہم سب کی ذمے داریوں میں شامل ہے۔ اس کے لیے حکومتی سطح سے لے کر عوامی سطح تک سب کو احساس کرنا ہوگا۔ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں اطاعت کا حکم اسی لیے مذکور ہے کہ اس سے ریاست میں عدم استحکام کا راستہ روک کر نظم وضبط کی فضا پیدا ہوتی ہے۔

قانون اور نظم وضبط

قانون کی حکم رانی ریاست کے لیے جزو لاینفک کا درجہ رکھتی ہے۔ تاریخ عالم میں ہر متمدن ملک دستور کا حامل رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی جس مثالی ریاست کی بنیاد رکھی تھی، وہ ایک ضابطے اور قانون کی حامل تھی۔ وہ قانون جس کا نزول اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ

۱۔ نعیم صدیقی۔ محسن انسانیت۔(چھیالیسواں ایڈیشن)، لاہور، الفیصل کتب، مئی ۲۰۱۲ء: ص ۴۲۲

السلام کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کے قلب پر فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے رائج کر کے تہذیب سے عاری قوم کو ایک متمدن نظام سے نوازا۔ ورنہ اس سے قبل قبائلِ عرب کے درمیان لڑی جانے والی طویل جنگوں کی داستانیں تاریخ کی کتابوں میں آج بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو نہ صرف ریاست کا دستور عطا کیا، بل کہ انصاف کے قیام کی خاطر عائلی، دیوانی وفوج داری قوانین بھی متعارف کرائے۔ ایک طویل روایت میں مذکور ہے کہ فتح مکہ کے بعد قریشی قبیلہ بنومخزوم کی عورت نے چوری کی، جس پر حد نافذ کرنے کا فیصلہ ہوا۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قریش نے باہم فیصلہ کر کے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو جو رسول اللہ ﷺ کو بے حد پیارے تھے، آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر کے رعایت کی درخواست کی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی سفارش سے آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آپ ﷺ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے فرمایا: "کیا تو مجھ سے اللہ کی حدوں میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتا ہے؟" روایت کے مطابق آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی ایک بھری مجلس میں فرمایا: اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔(۱)

یقیناً قانون انصاف قائم کرتا ہے۔ جہاں قانون نہ ہو وہاں عدل نہیں ہوگا اور جہاں عدل نہ ہو، وہاں نظم وضبط کا فقدان ہوگا، معاشرہ انتشار سے دوچار ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ ریاست کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہاں قانون کی حکم رانی تھی۔ معاملات انصاف کے اصولوں کو مدنظر رکھ کر طے کیے جاتے تھے۔ اگر عوام نظم وضبط کی صفت سے عاری ہو تو جان لیں کہ وہاں قانون کا بحران ہے۔

قربانی اور نظم وضبط

جس طرح ایک ریاست میں تقویٰ و پرہیز گاری، اطاعت وفرماں برداری اور قانون کی پاس داری ضروری ہے، ویسے ہی وہاں کے باشندوں میں قربانی کا جذبہ پیدا کرنا بھی ایک اہم

۱۔ امیر حمزہ۔ سیرت کے سچے موتی۔ لاہور، مکتبہ دارالاندلس، اکتوبر ۲۰۰۷ء: ص ۴۷۶

عنصر ہے۔ مشترکہ مفاد قوم کو متحد رکھتا ہے، جس کی نگہبانی ریاست کرتی ہے۔ جو قومیں ریاست کے لیے مالی و جانی قربانی سے دریغ کریں وہ تاریخ میں گم نام ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن قوموں کی تاریخ میں بہادری کی داستانیں نہیں ملتی، وہ قوم کو قربانی پر ابھارنے کے لیے دیو مالائی قصے کہانیوں اور فرضی داستانوں کا سہارا لیتے ہیں۔ مسلمان ایک شان دار ماضی رکھتے ہیں، جو بہادری کی داستانوں سے عبارت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی صحابہ کرام کی تربیت اس نہج پر کی تھی کہ وہ قربانی سے کتراتے نہیں تھے۔ اللہ، اس کے رسول ﷺ اور آخرت پر کامل ایمان کی یہ دولت ہی صحابہ کرام ہر قربانی کے لیے تیار رہتے تھے۔ جس قوم میں قربانی کی صفت پائی جائے، وہ وطن سے محبت کی انتہا پر فائز ہوتی ہے اور جن قوموں میں قربانی کا جذبہ مفقود ہو چکا ہو، وہ اندرونی و بیرونی مسائل میں پھنس کر رہ جاتی ہیں۔ قربانی ہی وہ اہم عنصر ہے جو قوم کو متحد رکھ کر وطن کے دفاع اور تعمیر و ترقی پر ابھارتی ہے۔

مال و جان کی قربانی پر تاریخ میں اس کی مثالیں جا بہ جا ملیں گی۔ غزوہ تبوک ہی کو لے لیجئے، جب نبی اکرم ﷺ نے اہل روم کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملانے کے لیے فوج کشی کا فیصلہ کیا، تو مدینہ میں تمام صحابہ کرام کو تیاری کرنے اور شریک لشکر ہونے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی ساتھ مال و اسباب کی ضرورت محسوس کی گئی تو صحابہ کرام سے مالی تعاون کی بھی درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ کے اس حکم پر صحابہ کرام نے قربانی کی جو مثالیں رقم کیں، وہ آج بھی ورطہ حیرت میں مبتلا کرتی ہیں۔ صحابہ کرام میں انفاق فی سبیل اللہ کے لیے مسابقت شروع ہو گئی، دوسری جانب ایک حکم پر تیس ہزار کا لشکر جرار ایک جھنڈے تلے جمع ہوا۔ غزوہ احزاب میں بھی کچھ ایسا ہی منظر دکھائی دیتا ہے، جب مدینہ کی اسلامی ریاست کو مشرکین کے متحدہ افواج سے خطرہ درپیش ہوا تو خندق کھودنے کا فیصلہ کیا گیا، جس کی تعمیل پر صحابہ کرام نے لبیک کہا اور مدینہ کے دفاع کو مضبوط بنایا۔ اسی پیرائے میں ڈاکٹر خالد علوی انسان کامل ﷺ" میں لکھتے ہیں: "جنگ بدر سے پہلے آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو شجاعت و دلیری کی تلقین کی اور پھر دوران جنگ بھی آپ ﷺ ان کی ہمت و جرات کو مہمیز لگاتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قریش

کثرت تعداد کے باجود بری طرح ہار گئے، سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کا مورال بلند تھا۔(۱)

اسی طرح تحریک پاکستان کی روداد بھی ہمارے سامنے ہے۔ جب ہندوستان میں مسلم قوم نے علیحدہ ریاست کی ضرورت محسوس کی تو قربانیوں کی داستانیں رقم کرکے پاکستان حاصل کیا۔ جب انسان یہ جان لے کہ اس کا جینا و مرنا صرف اللہ کے لیے ہے تو پھر وہ کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا سورۃ الانعام میں ارشاد ہے: "آپ فرما دیجیے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔(۲)

درج بالا نکات وہ بنیادی خصوصیات ہیں، جس کی بناء پر مدینۃ الرسول ایک مثالی شہر قرار پایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو احکامات نازل کیے اور رسول اللہ ﷺ نے جس طریق پر صحابہ کرام کی تعلیم وتربیت کی، اس سے اخذ شدہ نکات کا خلاصہ یہ ہے:

☆ تقویٰ عاجزی سکھاتا ہے، شر وفساد سے روکے رکھتا ہے اور نظم وضبط کا پابند بناتا ہے۔

☆ مطیع وفرماں بردار انسان اللہ تعالیٰ کے احکامات کو خود پر نافذ کرتا ہے اور ریاست کے نظم ونسق کا پابند رہتا ہے۔

☆ قانون کی حکم رانی انصاف قائم کرتی ہے اور ریاستی نظام کو ایک سمت پر گام زن رکھتی ہے۔ جب قانون نہ ہو تو انسان جو چاہے کرے۔

☆ جینا صرف اپنی ذات کے لیے ہو تو ملک وقوم کے لیے قربانی کا جذبہ ماند پڑتا ہے اور ریاست کی ضرورت معدوم ہو جاتی ہے۔

یہی وہ بنیادی صفات ہیں، جسے اپنا کر اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنایا جاسکتا ہے۔ تاہم ان نکات پر اس وقت تک کام یابی سے عمل درآمد نہیں ہوسکتا، جب تک ہم اپنے گردوپیش کا جائزہ لے کر اپنے معروضی حالات کی اصلاح نہ کریں۔ اس لیے ضروری

۱۔ خالد علوی، ڈاکٹر۔ انسان کامل ﷺ (چوتھا ایڈیشن) لاہور، الفیصل، اگست ۲۰۰۲ء: ص ۳۳۳

۲۔ سورۃ الانعام: ۱۶۲

ہے کہ ان پہلوؤں پر بھی بحث کی جائے، جو اس وقت ایک اسلامی ریاست کے گرد گھومتے ہیں۔ ذیل میں بالتفصیل اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

نظم وضبط کا سیاسی پہلو

سیاست فہم دفراست اور بصیرت کا نام ہے۔ وہ بصیرت جو انسان کو حکومت کے رموز سے آشنا کراتی ہے۔ سیاسی کردار ہر عہد میں انسانوں کی ضرورت رہا ہے۔ اہل دنیا نے بادشاہت بھی دیکھی ہے، عہدِ خلافت بھی، آمرانہ نظام، اشرافیہ کی حکومتیں اور جمہوری طرز سیاست بھی۔ ہر نظام اپنی پشت پر ایک فکر اور نظریہ رکھتا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ملکوں اور ریاستوں میں سیاست کا باب بند کردیا جائے۔ سیاست حکومت کی روح ہے، اس کے بغیر ریاست کا وجود باقی نہیں رہتا۔

موجودہ دور میں سیاست کو ایک گالی بنادیا گیا۔ عمومی خیال یہ ہے کہ شاید سیاست ایک برا فعل ہے، جو ریاست میں انتشار کا سبب بنتا ہے۔ اس تصور نے غلط فہمی سے جنم لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی سیاسی بصیرت رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے: بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیا کیا کرتے تھے۔ (۱) اسلامی ریاست کی تشکیل اور اس کے استحکام کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جس سیاسی فکر کی ترویج کی، وہ بعد کے ادوار میں بھی رائج رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیاسی فکر کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے احکامات تھے۔ مدینہ کی اسلامی ریاست عوام کی حکومت اور عوام کے ذریعے نہیں تھی، بل کہ وہ کتاب وسنت کے ذریعے رب رحمن کی حکومت تھی، جو امن وانصاف کے لیے کوشاں تھی۔

اگر نظم وضبط کے تناظر میں سیاسی کردار کا جائزہ لیا جائے تو موجودہ انتشار پر ہم سیاست دانوں کی گرفت کرسکتے ہیں، سیاست کے ادارے پر الزام نہیں۔ یہ بات درست ہے کہ اکثر و بیشتر سیاسی امور کے باعث ہی ریاستوں میں انتشار کی راہیں ہم وار ہوتی ہیں۔ یہ کیفیت اس وقت بنتی ہے کہ جب سیاست برائے ذاتی مفاد کو ترجیح دی جائے۔ اگر سیاست قوم وملک کے مفاد میں کی جائے تو انتشار کی راہیں مسدود ہوں گی۔ بد قسمتی سے موجودہ ریاستوں میں اول

۱۔ محمد سعید، پروفیسر، حافظ۔ تفسیر سورۃ یوسف۔ لاہور، مکتبہ دارالاندلس، اپریل ۲۰۰۹: ص ۲۰۹

الذکر کو موخر الذکر پر ترجیح دی جاتی ہے، جس سے ریاست کا نظم ونسق بری طرح متاثر ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ موجودہ ریاستوں میں سیاست کے ادارے کو بالکل الگ تھلگ مقام دیا گیا ہے۔ دین وسیاست کو جدا کرنے کی وجہ سے ہی سیاسی میدان میں ضعف رونما ہوا، جس کے اثرات بد سے فلاحی ریاست کا خواب چکنا چور ہوتا جا رہا ہے۔ سیاسی کردار کے باعث انتشار کا ماحول ان ریاستوں میں جنم لیتا ہے، جہاں سیاست کے اصول وضوابط دکھائی نہیں دیتے۔ سیاسی راہ نما اپنے ذاتی مسائل کو بھی سیاسی رنگ دے کر فوائد کے حصول کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ریاستی نظم ونسق کو برقرار رکھنے کے لیے سیاست کے ادارے کی درست سمت میں راہ نمائی کی جائے۔ اس کے لیے ہمیں دیگر افکار ونظریات کو اپنانے کے بجائے وہ سیاسی بصیرت حاصل کرنا ہوگی، جس کا تصور رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو دیا ہے۔ علامہ اقبال نے اسی تناظر میں کہا تھا

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

نظم وضبط کا مذہبی پہلو

مذہب انسانی روح کی غذا اور خیر وشر کا پیمانہ ہے۔ یہ انسان کا مربی واستاد بھی ہے۔ مغربی دنیا مذہب اور ریاست کو جدا کرتی ہے۔ ان کے نزدیک مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہے، اسے ریاستی امور میں مداخلت کا حق نہیں۔ دراصل سیکولر ریاستوں نے مذہب کو ایک حاشیے کا درجہ دے رکھا ہے، وہ اسے صرف عبادات اور رسم ورواج کا مجموعہ سمجھتی ہیں۔ اسلام اس تصور کا روادار نہیں، اسلامی ریاست میں مذہب کو اتھارٹی کی حیثیت حاصل ہے۔ مذہب اخلاقیات کا درس دیتا ہے اور صحیح وغلط کی پہچان بتاتا ہے۔ یہاں ہم اس بحث میں نہیں پڑتے کہ دین حق اور مذاہب باطلہ کی پہچان کیا ہے، یہ ایک لگ عنوان ہے۔ اگرچہ سابقہ الہامی مذاہب اپنی اصل شناخت کھو چکے ہیں، تاہم اس کے باوجود بھی وہ اپنے معتقدین کے لیے ذہنی سکون اور راحت کا ذریعہ ہیں۔ گزشتہ قوموں کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب تک قوم نے پیغمبر کے قول وفعل کو اپنایا تو وہ کامیاب رہی، روگردانی کے نتیجے میں عظیم الشان قومیں بھی اپنا مقام برقرار نہیں رکھ سکیں۔ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے بہت سے احسانات کیے۔ نعمتوں سے نوازا،

عزت ومنزلت عطا کی، لیکن پے در پے کی نافرمانی وسرکشی نے ان سے وہ مقام چھین لیا۔ مسلمانوں کا شان دار ماضی بھی ہمارے سامنے ہے، جب تک مسلمان دین کی اصل روح کو اپنائے ہوئے تھے تو بڑی سے بڑی طاقتیں بھی ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکیں، جب مذہب کو پس پشت ڈالا تو پھر طاقت ور سلطنتوں کو بھی زوال سے کوئی بچا نہیں سکا۔

موجودہ دور میں مذہب کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اسلامی ریاستوں میں انتشار کا ایک بڑا سبب بعض مذہبی حلقے ہیں۔ فتنہ تکفیر کی بنیاد پر قتل وغارت کی راہ ہم وار کرنے میں بعض مذہبی حلقوں کا ہاتھ ضرور ہے، تاہم وہ اسلام کے نمائندے ہرگز نہیں۔ اسلام امن وسلامتی کا دین ہے۔ تکفیر کرنا جید علما کا کام ہے، اس بنیاد پر جتنے گروہوں نے بھی جنم لیا ہے، چاہے وہ پاکستان میں ہیں یا پھر مشرق وسطیٰ کی اسلامی ریاستوں میں سرگرم ہیں، سخت گم راہی میں مبتلا ہیں۔ ان کے غلط اقدامات کی وجہ سے اسلام کا اصل چہرہ مسخ ہو رہا ہے۔ مغرب پہلے ہی اسلام کو دہشت گردی کا مذہب باور کراتا ہے، ان گم راہ گروہوں کے کالے کرتوتوں سے ان کے اس الزام کو اب مزید تقویت مل رہی ہے۔ مذہب کے نام پر قتل وغارت کا ایک نتیجہ یہ سامنے آیا کہ اسلامی ریاستوں کی حکومتیں یہ خیال اپنانے لگی ہیں کہ شاید مذہب کو کھلی چھوٹ دینے کی وجہ سے دہشت گردی پروان چڑھی ہے، لہٰذا اب سیکولرازم کے رنگ میں رنگ کر مذہب کا کردار محدود کردیا جائے، تاکہ دہشت گردی پر قابو پایا جاسکے۔ اس اقدام کا نتیجہ بھی سوائے انتشار کے کچھ برآمد نہیں ہوگا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ شریعت کی غلط تشریح کرنے والوں کا گھیرا تنگ کیا جائے، نہ کہ مذہب کا قلع قمع۔ ایک اسلامی ریاست شریعت سے راہ نمائی حاصل کرکے ہی انتشار کی راہیں مسدود کرسکتی ہے۔ مذہب کی غلط تشریح کرنے والے بھی تب جنم لیتے ہیں، جب اس کی درست عکاسی کی راہ معدوم ہوجائے۔

نظم وضبط کا سماجی پہلو

جس طرح سیاست اور مذہب کی اہمیت مسلمہ ہے، ویسے ہی معاشرتی اقدار بھی ریاست کی سمت درست رکھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ہر معاشرہ اپنے مخصوص معاشرتی اقدار کی نسبت سے پہچانا جاتا ہے۔ سماجی زندگی کا جو معیار مغرب نے اپنا رکھا ہے، وہ تصور مشرق

میں نہیں ہے اور جو خصوصیات اہل مشرق کے ہاں ملتی ہیں وہ اقدار مغرب میں نہیں ہیں۔ جب معاشرہ سیدھی راہ پر ہو تو افراد بھی ٹھیک رہتے ہیں، اگر سماج کا رویہ قابل اعتراض بن جائے تو برائیاں جنم لینا شروع کر دیتی ہیں۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ معاشرہ ہی انسان کی اصلاح اور بگاڑ میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ میں مبعوث ہوئے تو اہل عرب کی اخلاقی و معاشرتی حالت حد درجہ ابتر تھی۔ برائی کو برائی تصور کرنا محال تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان حالات میں نہ صرف نفس کے تزکیے کے لیے سیدھی راہ متعین کی، بل کہ معاشرتی اصلاح کا سامان بھی کیا۔ اسی طرح مدینہ آمد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات کا جو رشتہ قائم کیا، اس کے اثرات بھی انتہائی دوررس ثابت ہوئے۔ ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں: ''مواخات کے طرز عمل نے مسلم سوسائٹی کو استحکام بخشا اور اسے ہر جارحیت کے خلاف مجتمع ہو کر لڑنے میں مدد دی''۔(۱)

اس پیرائے میں اگر موجودہ دور کے سماجی رویوں کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ریاستی نظم و نسق کی تعمیل نہ کرنے میں ایک بڑا کردار ہمارے رویوں کا ہے۔ تشدد، عدم برداشت، تخریب، احساس کا نہ ہونا اسی صورت جنم لیتا ہے کہ جب معاشرہ اپنی روایات کو ترک کر کے نظام سے ٹکراؤ کی پالیسی اختیار کرے۔ اس کی ایک بڑی وجہ مایوسی اور ناامیدی بھی ہے، جس کے بل بوتے پر انسانی رویے میں سختی رونما ہوتی ہے۔ ہم اس پہلو کو ایک دوسرے رخ سے یوں ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ جب معاشرتی اقدار کو پس پشت ڈال کر انسان مرضی کی راہ پر چل پڑتا ہے تو نتیجے میں معاشرہ ڈی ٹریک ہونا شروع ہو جاتا ہے، جس کے منفی اثرات نظم وضبط کی پابندی پر مرتب ہوتے ہیں۔ ایسا ممکن نہیں ہے کہ مشرقی روایات کے امین معاشرے میں مغربی تہذیب کو دخل دے کر یہ سمجھ لیا جائے کہ اس سے معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن ہوگا۔ معاشرے میں موجود تناؤ کی کیفیت کا خاتمہ افراد کو معاشرتی اقدار کا پابند بنانے میں ہے، نہ کہ مخالف تہذیب و تمدن کو اختیار کرنے میں۔ ایک اسلامی ریاست میں نظم وضبط کی پابندی اسی

۱۔ خالد علوی، ڈاکٹر۔ انسان کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (چوتھا ایڈیشن) لاہور، الفیصل، اگست ۲۰۰۲: ص ۳۵۵

صورت دکھائی دے گی کہ جب وہاں سیاست، مذہب اور معاشرت کی راہیں متعین اور اپنی اصل بنیادوں پر استوار ہوں۔ جب ان حدود کا لحاظ نہ رکھا جائے تو صورت حال انتشار کی صورت میں نکلے گا اور حکومتیں بے بس دکھائی دیں گی۔

نظم وضبط کا تعلیمی پہلو

تعلیم و تربیت متمدن ریاستوں کی بنیادی ضرورت ہے، اس کے بغیر عوام کو شعور کی راہ پر نہیں ڈھالا جا سکتا۔ علم ہی ایک ایسی خصوصیت ہے جو انسان کو دیگر مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے۔ اسلام بھی تعلیم کی اہمیت وضرورت پر زور دیتا ہے۔ سیرت نگاروں نے اصحاب صفہ پر با قاعدہ عنوان قائم کیے ہیں۔ مسجد نبوی سے متصل اس چبوترے میں صحابہ کرام کی تعلیم و تربیت ہوتی تھی، جس کے استاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود تھے۔ جنگ بدر کے اسیروں سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا تھا کہ جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتا ہے اور زرفدیہ ادا نہیں کرسکتا، وہ مدینہ کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دے، وہ آزاد کر دیا جائے گا۔ (۱) قید سے آزادی کے لیے لکھنے پڑھنے کی شرط لگانا شاید انسانی تاریخ کی پہلی مثال ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ خوبی جانتے تھے کہ جس معاشرے کے افراد ناخواندہ ہوں، وہ ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ تھی کہ فروغ تعلیم کے لیے بعد کے ادوار میں مسلم خلفا نے خصوصی مکتب قائم کیے، جن میں معلمین کا تقرر کیا گیا، ریاست ان کے اخراجات خود اٹھاتی تھی۔

اس تناظر میں موجودہ ریاستوں کا جائزہ لیں تو بہ خوبی معلوم ہوگا کہ جن ممالک میں تعلیم کی شرح زیادہ ہے وہاں زندگی قدرے پرسکون ہے اور جہاں ناخواندگی عروج پر ہے، وہ مسائل میں گھرے ہوئے ہیں۔ تعلیم یافتہ معاشرے باشعور ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہاں قانون کی پاس داری کی جاتی ہے۔ جہاں تعلیم و تربیت کا فقدان ہو، وہاں نظم وضبط کی عدم تعمیل ہوتی ہے اور نتیجے میں ملک انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ عوام میں معاملہ فہمی اور شعور کی بے داری کے لیے تعلیم و تربیت کے پہلو پر توجہ کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے بغیر شہریوں کو ریاستی نظم و نسق کا پابند نہیں بنایا جا سکتا۔ اس تناظر میں ڈاکٹر سید عزیز الرحمن لکھتے ہیں:

۱۔ نجیب آبادی، اکبر شاہ خاں۔ تاریخ اسلام۔ لاہور، مکتبہ دارالاندلس، سن ندارد: ج۱،ص۱۷۹

اسلامی ریاست میں تعلیم لازمی اور جبری ہونی چاہئے۔خواندگی ایسی چیز نہیں ہے جسے عوام کی مرضی پر چھوڑا جاسکے، کیوں کہ ناخواندہ افراد تو علم رکھتے ہی نہیں، ان سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ سب علم کی اہمیت کا ادراک رکھتے ہوں گے۔ یہ فریضہ تو ریاست کا ہے کہ وہ ان کے سامنے تعلیم کی اہمیت اجاگر کرے اور انہیں حصول علم پر آمادہ کرے۔خصوصاً کسی اسلامی معاشرے میں ناخواندہ افراد قطعاً قابل قبول نہیں ہوسکتے"۔آگے مزید لکھتے ہیں:"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہروں میں گشتی معلمین مقرر کیے تھے۔وہ راہ چلتے لوگوں کو پکڑتے، ان کی خواندگی کا اندازہ لگاتے اور پھر ناخواندہ شخص کو کسی مکتب میں استاد کی تحویل میں دے دیتے تھے تاکہ وہ قرآن مجید اور دین کی ضروری تعلیم حاصل کرے۔(۱)

ایک اِشکال کا جواب

جب علم اور تعلیم کے پہلو پر بات ہوتی ہے تو عموماً یہ اِشکال جنم لیتا ہے کہ اس سے مراد دینی تعلیم لی جائے یا اس کا مدعا دنیاوی تعلیم ہے۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں دینی وعصری علوم کی راہیں جدا کردی گئی ہیں۔اس دہرے نظام تعلیم کی وجہ سے ایک عام فرد سمجھ نہیں پاتا کہ وہ کس پلڑے میں اپنا وزن ڈالے اور کسے نظر انداز کردے۔پہلے پہل ایسا نہیں تھا، طالب علم ایک ہی چھت تلے علوم بھی سیکھتا تھا اور فنون سے بھی آگاہی ملتی تھی، جب کہ اب دینی علوم کا اپنا حلقہ ہے اور عصری علوم کے اپنے ادارے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ بات قرآن وسنت کی کی جائے یا دیگر علوم وفنون کی، دونوں ہی انسانی ضروریات میں سے ہیں۔انسان سائنس اور آرٹ کی دنیا میں ترقی تو کرلے گا، لیکن جب تک وہ اللہ کے نازل کردہ علم سے روشناس نہیں ہوگا، وہ صحیح اور غلط کی درست پہچان نہیں کرسکے گا۔قرآن ایک پیمانہ ہے، یہ رشد وہدایت کا ذریعہ ہے، جو انسان کی درست سمت میں راہ نمائی کرتا ہے۔دوسری جانب عصری علوم وفنون موجودہ دور کے وہ تقاضے ہیں جو انسانی زندگی سے جڑے ہوئے ہیں۔

۱۔عزیز الرحمٰن، سید، ڈاکٹر۔تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آج کے زندہ مسائل۔کراچی، مکتبہ القلم، مئی ۲۰۰۵:ص ۱۲۵

ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی وعصری علوم کے امتزاج سے دونوں راہوں کو منسلک کردیا جائے، تاکہ نئی نسل کو ذہنی طور پر منتشر ہونے سے بچایا جاسکے۔ یہ اسلامی ریاست کی اولین ذمے داریوں میں سے ہے، اس کے بغیر تعلیم وتربیت کا اصلاحی پہلو ادھورا رہے گا۔

حکومت کے فرائض

مضبوط حکومت ہر متمدن ریاست کی ضرورت ہے۔ علمِ سیاسیات میں ریاست کے چار بنیادی عناصر میں سے حکومت کو اہم ترین سیاسی عنصر مانا جاتا ہے۔ یہ وہ قوت ہے جو ریاست کو استحکام بخشتی ہے اور عوام کی فلاح وبہبود کے لیے راہ ہم وار کرتی ہے۔ حکومتوں کی ہیئت مختلف ہوسکتی ہے، لیکن اس ادارے کا عدم وجود ممکن نہیں۔ مشاہدے کی بات ہے کہ جو ریاستیں آئینی یا سیاسی بحران کی زد میں ہوں، وہاں انتشار کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ حکومت اپنے تین بنیادی ستونوں کے بل بوتے پر ہی قانون کی بالادستی قائم کرتی ہے اور ریاستی نظم ونسق برقرار رکھتی ہے۔ مقننہ، عاملہ اور عدلیہ کے بغیر حکومت تشکیل نہیں پاتی۔ مقننہ قانون سازی کرتی ہے، عاملہ اسے عملی جامہ پہناتی ہے اور عدلیہ اس کے تحت انصاف قائم کرتی ہے۔ ان میں سے ایک بھی ادارہ ناکارہ ہوجائے، ریاست بدنظمی سے دوچار ہوگی۔ ریاستوں کی فلاح اسی میں مضمر ہے کہ حکومت کے تمام شعبوں کو اپنے دائرے میں آزادانہ کردار ادا کرنے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔

موجودہ ریاستوں کی حالت یہ ہے حکومتیں اپنے سیاسی ہیئتوں کے ساتھ منظر نامے پر موجود ہیں۔ جہاں قوانین بنتے ہیں، نفاذ بھی ہوتا ہے اور عدلیہ فیصلے بھی کرتی ہے، لیکن سبب کیا ہے کہ ریاستوں میں نظم وضبط کا وہ معیار نظر نہیں آتا، جس کی توقع رکھی جانی چاہیے۔ ہماری دانست میں اس کی بنیادی وجہ حکومت اور عوام کے درمیان بڑھتے ہوئے فاصلے ہیں۔ قوم حکومت سے نالاں ہے اور حکومت قوم سے شاکی۔ اگر حکومت اپنے فرائض مستعدی سے سرانجام دے اور عوام کو سہولتیں مہیا کرے، تو ان کے درمیان بڑھتے ہوئے فاصلوں کو سمیٹا جاسکتا ہے۔ جن ریاستوں میں بدعنوانی، رشوت ستانی، قانون شکنی، دروغ گوئی، اثر ورسوخ کے ناجائز استعمال پر قابو پالیا گیا ہے، وہاں نظم وضبط کی اعلیٰ مثال دیکھنے کو ملتی ہے۔ عوام کو

ضابطے کا پابند بنانے کے لیے ضروری ہے کہ حکومت احتساب کا کڑا نظام اپنائے، جس کا دائرہ اعلیٰ وادنیٰ سبھی تک دراز ہو۔ یقیناً قانون کی سخت گرفت ہی قانون شکنی کا راستہ روکے گی۔

اس تناظر میں ذرائع ابلاغ کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، اگرچہ علمِ سیاسیات کے ماہرین میڈیا کو ریاست کا چوتھا ستون قرار دینے سے کلی اتفاق نہیں کرتے، تاہم موجودہ دور میں اس کی بڑھتی ہوئی اہمیت کے سبب اسے نظرانداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اب حکومتوں میں اطلاعات ونشریات کی باقاعدہ وزارتیں بنتی ہیں۔ سرکاری ٹی وی، ریڈیو اور خبرایجنسی ہر حکومت کے لازمی ادارے ہیں۔ نجی ٹی وی، ریڈیو چینلز اور اخبارات وجرائد بھی حکومت کی نگرانی سے آزاد نہیں ہوتے۔ ریاستوں میں سنسر بورڈ تشکیل دے کر میڈیا کو ضابطے کا پابند بنایا جاتا ہے۔ جن ریاستوں میں چیک اینڈ بیلنس پر توجہ نہیں دی جاتی، وہاں میڈیا کے ذریعے بھی انتشار کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔ جرائم، قتل وغارت، تشدد اور قانون شکنی کے مناظر دکھلانا منفی سوچ پروان چڑھاتا ہے۔ ان حالات میں حکومت کی یہ ذمے داری بنتی ہے کہ وہ ذرائع ابلاغ کو بہ جائے تخریب کے تعمیر کی جانب راغب کرے۔ بہ صورت دیگر نظم وضبط کی پابندی کی فصیل منہدم ہوکر ریاست کو فساد سے دوچار کردے گی۔

عوام کی ذمے داریاں

جس طرح حکومت پر کچھ ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں، ویسے ہی شہریوں کے ذمے بھی کچھ فرائض ہیں، جنھیں نبھانا ضروری ہے۔ حکومت کا ادارہ عوام کی فلاح وبہبود کے لیے ہی تشکیل پاتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ ایک طبقہ حاکم پیدا ہوا ہے اور دوسرا اس کا محکوم۔ یہ تصور افلاطون کے ہاں ملتا ہے، ہندومت بھی ذات پات کی تقسیم کی بنا پر اس تصور کی حمایت کرتا ہے۔ اسلام یہ تصور نہیں دیتا، یہاں حکومت اس کو دی جاتی ہے جو اس کی اہلیت رکھتا ہو، چاہے وہ کسی ادنیٰ طبقے سے ہی کیوں نہ ہو۔ ایک اسلامی ریاست میں رعایا کی حیثیت غلاموں کی سی نہیں ہوتی، بل کہ وہ حکومت کی اطاعت بہ خوشی کرتے ہیں۔ حکومت کے لیے اطاعت اور خیرخواہی کا یہ جذبہ ہی اسلامی ریاست کی وہ نمایاں خصوصیت ہے، جس کی بنا پر حکومت اور رعایا کے مابین مضبوط تعلق استوار رہتا ہے۔

جن ریاستوں میں قانون کا احترام نہ ہو اور قومی املاک کو قیمتی ورثہ جان کر اس کی حفاظت نہ کی جاتی ہو، وہاں ملک وقوم کی خاطر مال وجان کی قربانی کا جذبہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ اگرچہ موجودہ ترقی یافتہ ریاستوں میں ملک کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کے لیے باقاعدہ فوج کا ادارہ بنایا جاتا ہے، تاہم ہمیں یہ ہرگز نہیں بھولنا چاہیے کہ جنگیں قومیں لڑا کرتی ہیں۔ اگر قوم حکومت اور فوج کے شانہ بہ شانہ کھڑی نہ ہو تو کامیابی ممکن نہیں ہوتی۔ جب تک حکومت اور عوام اپنے فرائض و ذمے داریاں خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے رہیں گے، ریاست میں نظم وضبط کی پابندی برقرار رہے گی، کیوں کہ جب قوم اور حکمران طبقے میں دوریاں پیدا ہو جائیں تو پھر ریاست میں امن رہتا ہے اور نہ ہی حکومت کو بقا حاصل ہوتی ہے۔

خلاصۂ کلام

اسلام ایک متوازن دین ہے۔ یہ اپنے حاملین کی ہر موڑ پر راہ نمائی کرتا ہے۔ گزشتہ مباحث میں اس بات کی کھل کر صراحت کی گئی ہے کہ اسلام ایک سطحی دین نہیں ہے، جو صرف عبادات اور رسم ورواج کا مجموعہ ہو، بل کہ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والے دین کو اہل مغرب کی طرح حاشیے کے طور پر اپنانا نامعقول ہے۔ ہمارے سامنے مدینہ طیبہ کی اسلامی ریاست رول ماڈل کے طور پر موجود ہونی چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کا دستور اللہ تعالیٰ کے دیے گئے احکامات کی بنیاد پر تشکیل دیا تھا، جس میں برتری کی بنیاد صرف تقویٰ تھی۔ اطاعت اور قانون کی پاس داری ان کا شعار تھا اور جذبہ قربانی سب سے بڑی صفت۔ موجودہ اسلامی ریاستوں میں مذکورہ خصوصیات کا ماند پڑ جانا نظم وضبط کے فقدان کا اہم سبب ہے۔ اگر ہم سیاست، مذہب اور معاشرت کی راہیں متعین کر کے اسے اپنی اصل اساس پر استوار کریں تو انتشار کا خاتمہ یقینی ہوگا۔

اسلامی ریاست میں تعلیم وتربیت کا پہلو بھی خصوصی توجہ کا متقاضی ہے۔ جب باشندے ناخواندہ ہوں گے تو وہ صحیح وغلط کی پہچان سے عاری رہیں گے۔ شرح خواندگی میں اضافے سے ہی عوام کو شعور دیا جا سکتا ہے، جس کے لیے دینی وعصری علوم کی راہیں باہم منسلک کرنا وقت کی ضرورت بن چکا ہے۔ اسلامی ریاستوں میں حکومتوں کا فرائض سے غفلت برتنا اور عوام کا اپنی

ذمے داریوں سے پہلو تہی کرنا، احساس کے نہ ہونے کا سبب ہے۔ اگر ہر شعبہ اپنی کم زوریوں پر قابو پا لے اور فرائض کی انجام دہی میں کاہلی کو خیر باد کہہ دے تو نہ صرف ریاست میں امن اور خوش حالی آئے گی، بل کہ نچلی سطح تک نظم وضبط کا بہترین مشاہدہ بھی کیا جا سکے گا۔